مولانا شبلی نعمانی کی قومی شاعری

ڈاکٹر نذر عابد/عبدالصبور

ABSTRACT:

As for as the history of Urdu National Poetry is concerned,it emerged regularly in the second half of 19th century when Maulana Altaf Hussain Haali and Maulana Muhammad Hussain Azad started the Movement of Natural Poetry in Urdu. Many Urdu poets created such poetry in the said era which deals with different national issues.Maulana Shibli Naumani is an important poet amongst such poets.In this article the authors have critically analysed the national aspects of the poetic works of Maulana Shibli Naumani while giving relevant poetic examples from his poetry

۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان کے سیاسی اُفق پر بڑی تیزی سے تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں ان تبدیلیوں کی بازگشت اُردو ادب میں بھی سُنائی دے رہی تھی۔ ادب چونکہ اپنے عصر کی آواز ہوتا ہے اور اس کا تانا بانا سماجی تبدیلیوں سے متاثر ہوتا ہے۔ سو اِن بدلتے حالات میں اُردو شاعری بھی ماضی کی روش سے ہٹ کر اظہار و بیان کے نئے سانچوں میں ڈھل رہی تھی سب سے نمایاں تبدیلی یہ ہوئی کہ اُس دور میں قومی شاعری کے تجربات کا آغاز ہوا۔

۱۸۵۷ء کا سانحہ شعرا کے لیے ایک تازیانہ ثابت ہوا۔ گزشتہ تہذیب و معاشرت کے ٹمٹماتے چراغ گُل ہو گئے۔ اس سانحہ کی تباہی و بربادی، انگریزوں کا ظُلم وتشدد، اپنی قوم کی عظمت کے مٹ جانے کا غم اور مُلک و مال کا چھن جانا یہ سارے ایسے جانکاہ عوامل تھے جن پر شاعر خُون کے آنسو روئے۔ بقول مرزا قربان علی بیگ سالک:

> ''ظاہر ہے کہ جب شعرا کی کثرت ہو اور ایسا انقلاب ظہور میں آوے، زبان پر کوئی مہر نہیں ہے کہ گویائی سے باز رہے اور دل پر کچھ زور نہیں کہ درد سے بھر نہ آئے اور اظہار درد شاعرانہ نہ کیا جائے کسی نے اپنی فغاں کو بطرز مسدس شہر آشوب بلند کیا، کس نے اپنے نالے کو طرز غزل بخشا۔ اگر غور کیجیے تو ہر ایک مسدس ایک مرثیہ ہے اور ہر ایک غزل ایک نوحہ ہے۔ کس کی طاقت

ہے کہ سُنے نہ روئے۔ کس کا جگر ہے کہ اس درد سے خون نہ ہوئے .....غرض کہ جو کچھ مُصیبتیں
لوگوں پر گزری ہیں۔ اس سے آشکار ہوتی ہیں۔'' (۱)

اُردو شاعری میں اِجتہاد کی نئی تحریک کا آغاز کرنل ہالرائیڈ کی سرپرستی میں انجمن پنجاب، لاہور کے پلیٹ فارم سے ہوا۔ ڈاکٹر لائیٹنر اس انجمن کے صدر اور محمد حسین آزاد معتمد تھے۔ محمد حسین آزاد نے انجمن کے اجلاسوں میں قدیم طرزِ سُخن پر شدید تنقید کی اور وقت کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نیچرل شاعری کی اہمیت پر زور دیا۔ اُردو شاعری میں اس شعری اجتہاد کا نقطہ عروج مولانا حالی کا مقدمہ شعر و شاعری تھا۔ مولانا حالی کا یہ پختہ عقیدہ بن گیا تھا کہ جو شخص اس ملکہ قدرت یعنی شاعری کو فطری تقاضوں کے مطابق کام میں لائے گا، ممکن نہیں کہ اس سے سوسائٹی کو نفع نہ پہنچے۔

یہ وقت کی ضرورت تھی۔ علی گڑھ تحریک کی خوش نصیبی یا سرسید احمد خان کی مقناطیسی شخصیت کا کمال کہ اُن کے گرد اُن کے نظریے اور سوچ سے اتفاق کرنے والے لوگ اکٹھے ہوتے چلے گئے۔ مولانا الطاف حسین حالی کے بعد، شبلی نعمانی دوسری بڑی علمی و ادبی شخصیت تھے جو سرسید کی شخصیت سے متاثر ہو کر اصلاحی تحریک کے سرگرم رُکن بن گئے۔ علی گڑھ تحریک کے زیر اثر آنے کے بعد نہ صرف اُن کے ہاں ذہنی انقلاب آیا بلکہ اُن کے انداز شاعری میں بھی تغیر رونما ہوا۔ علی گڑھ میں قیام کے دوران شبلی، مولانا حالی سے براہ راست روشناس ہوئے اور اُن کی نظم ''مسدس مدوجزر اسلام'' کا اُن پر گہرا اثر اپڑا۔ شبلی کے وہ رنگین ترانے جو اب تک حُسن و عشق کی جھوٹی کہانیوں سے لبریز ہوتے تھے، اب وہ قوم و ملت کے عشق سے خون افشاں ہونے لگے۔ چنانچہ سرسید و حالی کے اثر کو قبول کرتے ہوئے، شبلی نعمانی نے اپنی قوتِ شعرگوئی کو اصلاح قوم کے لیے وقف کر دیا۔ شاعری میں مولانا شبلی نعمانی کا موضوع بھی وہی رہا جو اُن کے ہم عصر مولانا الطاف حسین حالی کا تھا یعنی مسلمانوں کے عروج و زوال کا موازنہ اور عظمت ماضی کے نغمے سنا کر اپنے حال کو سنوارنے کا احساس دلانا۔

مولانا شبلی نعمانی کو قدرت نے مورخ کا ذہن اور شاعر کا دل عطا کیا تھا۔ وہ ہر چیز کو مورخ کی باریک بیں نظر سے دیکھتے اور شاعر کے حِساس دل سے محسوس کرتے تھے۔ مورخ شبلی کی نثر کے مرقعوں میں بھی کہیں کہیں شاعر شبلی کی جھلک نظر آ جاتی ہے۔ تاریخ نویس شبلی کی نگاہ کسی چیز کو دیکھتی ہے تو اُس کی کسک شاعر شبلی کو محسوس ہوتی ہے۔ وہ اس کا اثر قبول کرتے ہیں۔ اِس اثر کے بغیر اُن کی شاعری، شاعری نہیں رہتی۔ شاعر شبلی کے حِساس دل اور مورخ شبلی کی باریک بیں نظر کے امتزاج نے ان کی نظموں کو شعریت اور واقعیت کا حسین مُرقع بنا دیا ہے۔ مولانا شبلی نے جن نظموں میں تاریخی واقعات کو شعر کا موضوع بنایا ہے اُن میں تاریخ کے اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے بھی شعر کے نازک آبگینے کو ٹھیس نہیں پہنچنے دی؛ تاریخی صداقت کے ساتھ ساتھ شعر کی شعریت بھی اپنی جگہ برقرار رہتی ہے۔

مولانا شبلی نعمانی کی شخصیت کے اصل جوہر تاریخ اور سیرت نگاری میں کُھلتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ شبلی کے لیے شاعری کچھ خاص وجہ امتیاز نہیں۔ انھوں نے شاعری کو اپنا مستقل وظیفہ نہیں بنایا۔ شاعری اُن کی ذہنی کاوشوں کا

اصل میدان نہیں بلکہ وہ کچھ واقعات کی نوعیت کے پیشِ نظر وقتاً فوقتاً شاعری کی طرف متوجہ ہوتے رہے۔ تاہم اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ شبلی کا جمالیاتی ذوق اور اُن کا فزوں احساس، شعریت سے پوری طرح مناسبت رکھتا تھا۔ اُن کی کئی نظمیں شعری ترنم اور غنائیت کی عمدہ مثالیں ہیں۔ مولانا کی شاعری سرسید تحریک کے زیر اثر جہاں مقصدیت سے لبریز ہے وہیں فنی لحاظ سے یہ شاعری اہمیت کی حامل اور قابل قدر ہے۔ مولانا بڑی مہارت سے صنائع بدائع کا استعمال کرتے ہیں اور اپنی پیشکش کو عمدہ سے عمدہ طور پر سامنے لانے کی کوشش کرتے ہیں۔ سوز و گداز اور سلاست اس پیشکش کی عمدہ صورتیں ہیں۔

سید سلمان ندوی، مولانا شبلی نعمانی کی شاعری کو چار ادوار میں تقسیم کرتے ہیں۔ بقول سید صاحب، مولانا کی شاعری کا پہلا دور اُن کی ابتدائی مشق سے ۱۸۸۲ء تک ہے اس دور کی شاعری میں ایک طویل نظم، ایک قصیدہ، اور چند غزلیں شامل ہیں۔ قیام علی گڑھ کے زمانے کی شاعری کو سید صاحب دوسرے دور کی شاعری قرار دیتے ہیں۔ یعنی ۱۸۸۳ء سے ۱۸۸۹ء تک کا زمانہ۔ اس دور کی شاعری میں چند غزلیں اُن کی مشہور مثنوی ''صُبح اُمید'' ایک مسدس اور دو قصیدے شامل ہیں۔ مثنوی ''صبح امید'' کے متعلق سید سلمان ندوی کہتے ہیں:

> ''اس وقت تک مثنوی صرف قصے کہانیوں کے لیے محدود تھی۔ ابھی تک اس کو قومی مقصد کے لیے کام میں نہیں لایا گیا..... مولانا شبلی نے اس راہ میں پہل کی'' (۲)

''صُبح امید'' وہ مثنوی ہے جو مولانا شبلی کی سرسید احمد خان اور اُن کی تحریک سے والہانہ دلی وابستگی کی مظہر ہے۔ ایک ایک شعر سے شبلی کا سرسید سے عشق ٹپکا پڑتا ہے۔ مولانا کی اُردو شاعری کا تیسرا دور حیدرآباد (دکن) کے قیام کا ہے یعنی ۱۹۰۱ء سے ۱۹۰۴ء تک۔ اس دور میں مولانا کی داغ دہلوی سے برابر ملاقات رہی۔ لیکن اس دور کی شاعری میں سوائے ایک غزل کے کوئی اور چیز دستیاب نہیں ہوسکی۔ مولانا کی شاعری کا چوتھا دور ۱۹۰۸ء سے لے کر اُن کی وفات یعنی ۱۹۱۴ء تک ہے۔ اس دور کی شاعری کا محور زیادہ تر سیاست رہا۔

شبلی نعمانی کی قومی شاعری کے جائزے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ شبلی مولانا حالی کی مرثیہ خوانی سے متاثر ہوئے ہیں۔ اُن کی مشہور نظم ''صبح امید'' اس کا واضح ثبوت ہے۔ شعری مندرجات کے حوالے سے یہ نظم ''مسدس مدوجذر اسلام'' سے کافی مشابہت رکھتی ہے۔ مثنوی ''صبح امید'' کا سال تصنیف ۱۸۸۵ء ہے، یعنی مسدس حالی سے چھے سال بعد لکھی گئی ہے۔

اسلام شبلی کی پہلی ترجیح تھی جس پر انھوں نے سمجھوتہ نہیں کیا۔ عُمر بھر اسلام کے ایک سپاہی کی حیثیت سے میدان عمل میں برسرپیکار رہے۔ اُن کی قومی و ملی شاعری اس بات کا ثبوت ہے کہ انھیں اسلام، اسلامی تعلیمات اور قدیم قدروں سے کتنا عشق تھا۔ علی گڑھ آ کر انھیں جدید انگریزی تعلیم کے محاسن و معائب کو قریب سے دیکھنے کا موقع مِلا۔ مولوی محمد سمیع کے نام اپنے ایک خط میں مولانا لکھتے ہیں:

> ''یہاں آ کر میرے تمام خیالات مضبوط ہو گئے۔ معلوم ہوا کہ انگریزی خواں فرقہ نہایت مہمل فرقہ ہے۔ مذہب کو جانے دو، خیالات کی وُسعت، سچی آزادی، بلند ہمتی، ترقی کا جوش برائے

نام نہیں۔ یہاں ان چیزوں کا ذکر تک نہیں آتا۔ بس خالی کوٹ پتلون کی نمائش ہے'' (۳)

علی گڑھ تحریک سے وابستہ ہونے اور سرسید احمد خان کے زیر اثر آنے کے باوجود، مولانا شبلی سرسید کی طرح انگریزوں کی خیر خواہی میں مصلحت کا شکار نہیں ہوتے۔ نئی تعلیم کی بدولت ذہن و دل جس طرح یورپ کی خیرہ کُن چمک سے متاثر ہو رہا تھا اور جس کے نتیجے میں اسلاف کے تاریخ ساز کارنامے پسِ پشت ڈالے جا رہے تھے؛ شبلی اس سے بے حد گرفتہ تھے۔ اُن کی جرات اظہار داد دینے کے قابل ہے کہ علی گڑھ کا حصہ ہوتے ہوئے بھی وہ کہہ رہے ہیں:

ہم نے مانا بھی کہ دل سے بھُلا دیں یہ قصّے
یہ سمجھ لیں کہ ہم ایسے ہی تھے اب ہیں جیسے
یہ بھی منظور ہے ہم کو کہ ہمارے بچے
دیکھنے پائیں نہ تاریخِ عرب کے صفحے
کبھی بھولے بھی سلف کو نہ کریں یاد اگر
یادگاروں کو زمانے سے مٹا دیں کیونکر'' (۴)

مولانا شبلی نعمانی کی اُردو شاعری کا بیشتر حصہ قومی شاعری کے ذیل میں آتا ہے۔ ان کی معروف قومی نظموں میں صبح امید، قومی مسدس، قومی اقبال کا قصیدہ، ہم کشتگانِ معرکہ کانپور ہیں اور شہر آشوب اسلام جیسی شاہکار نظمیں شامل ہیں۔ ان نظموں میں وہ اپنی قوم کے شاندار ماضی کا تذکرہ فخریہ انداز میں کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ قوم کی موجودہ زوال آمادہ صورت حال کا تجزیہ بھی دلی خلوص اور ہمدردی کے ساتھ کرتے ہیں۔ ایک طرف وہ مسلمانوں کے اس عظیم کردار کی تصویر پیش کرتے ہیں جب وہ اقوامِ عالم کی پیشوائی کا فریضہ انجام دے رہے تھے؛

تھے جس پہ نثار فتح و اقبال
کسریٰ کو جو کر چکی تھی پائمال
گُل کر دیے تھے چراغ جس نے
قیصر کو دیے تھے داغ جس نے
جو فلسفیان ہند و چین تھے
خرمن سے اسی کے خوشہ چین تھے (۵)

دوسری طرف وہ دورِ حاضر کے مسلمانوں خاص طور پر ہندی مسلمانوں کی زبوں حالی کا نقشہ بہت دل گداز پیرائے میں یوں پیش کرتے ہیں:

اب عیب ہیں سب ہنر ہمارے
ہیں پوتھ سے کم گُہر ہمارے

ناچار ہیں خستہ حال ہیں ہم
عبرت کدہ زوال ہیں ہم (۶)

تاہم اس مایوس کن صورتِ حال کے ہوتے ہوئے بھی شبلی نعمانی اپنی قوم سے ناامید نہیں ہیں۔انہیں امید اور یقین ہے کہ ان کی قوم کے افراد کے اندر اب بھی ایسی چنگاری موجود ہے کہ وہ اگر ہمت سے کام لیں تو زوال کی اس کیفیت سے نجات حاصل کر سکتے ہیں؛

ابھی تک تم میں ہے اسلاف کا کچھ کچھ اثر باقی
شرر گو بجھ چکے پرگرم ہے اب تک وہ خاکستر
ابھی کچھ کچھ مہک باقی ہے ان مُرجھائے پھولوں میں
ابھی کچھ کاٹ ہے اس تیغ میں گو مِٹ چُکے جوہر (۷)

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو شبلی نعمانی کی قومی شاعری کے تین پہلو بہت واضح انداز میں ہمارے سامنے آتے ہیں۔ وہ قوم کے شاندار ماضی کو احساسِ تفاخر کے ساتھ یاد کرتے ہیں اور موجودہ زوال پذیر حالات پر افسردہ بھی ہوتے ہیں لیکن رجائیت کے علم بردار ہونے کے ناتے اپنی قوم کو عزم وہمت کا درس دیتے ہوئے اجلے مستقبل کی بشارت بھی دیتے ہیں ۔یوں وہ اپنی شاعری میں ایک ایسے حقیقی قومی شاعر کے روپ میں سامنے آتے ہیں جس کا دل قومی ہمدردی سے لبریز ہے۔

حوالہ جات:

(۱) ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار، **اردو شاعری کا سیاسی اور معاشی پس منظر**، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء، ص ۳۲۸
(۲) ڈاکٹر محمود الرحمان، **جنگ آزادی کے اُردو شعراء**، اسلام آباد: قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ و ثقافت، ۱۹۸۶ء، ص ۱۸۴
(۳) ڈاکٹر جمیل جالبی، **تاریخ ادب اُردو**، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۲، ص ۲۶۱
(۴) **کلیات شبلی نعمانی**، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۴، ص ۲۷
(۵) ایضاً ص ۱۳
(۶) ایضاً ص ۱۵
(۷) ایضاً ص ۸۰